رسائل و مسائل

بندوق کے شکار کی حلت و حرمت

سوال: آپ نے تفہیم القرآن میں تکبیر پڑھ کر چھوڑی ہوئی بندوق کے مرے ہوئے شکار کو حلال لکھ کر ایک نئی بات کا اختراع کیا ہے جس پر مندرجہ ذیل سوالات اٹھ رہے ہیں مہربانی فرما کر جواب دے کر مشکور فرما دیں

۱۔ چاروں امام متفق ہیں کہ بندوق سے مرا ہوا شکار بوجہ چوٹ سے مرنے کے ناجائز اور حرام ہے پھر آپ نے کن دلائل کی بنا پر اس کو جائز لکھا ہے۔

۲۔ بندوق کی گولی میں دھار نہیں ہوتی بلکہ اس کی ضرب شدید سے جانور مرتا ہے۔ کارتوس پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ اس کی طاقت اتنے پونڈ ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کی دھار اتنی تیز ہے ضرب سے مرا ہوا شکار قطعی ناجائز ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

۳۔ تفسیر حقانی میں لکھا ہے کہ قاضی شوکانی نے بندوق کے مارے ہوئے کے حرام ہونے میں اختلاف کیا ہے لیکن قاضی صاحب کا اختلاف حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مجروح احادیث بیان کرنے والا ہونے کے علاوہ اہل تشیع کی طرف میلان رکھتا ہے۔

۴۔ اس مسئلہ کو فروع کہنا عوام کو دھوکا دینا ہے۔ کیا حرام کو حلال کرنا بھی فروع ہی رہے گا۔

جواب: سب سے پہلے میں آپ کی اُس غلط فہمی کو دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو آپ کے سوال نمبر ۴ میں پائی جاتی ہے۔ آپ پوچھتے ہیں "کیا حرام کو حلال کرنا بھی فروع ہی رہے گا؟" اس سلسلہ میں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک حرام و حلال تو وہ ہے جو نص صریح میں حلال یا حرام قرار دیا گیا ہو، اور وہ اصولی چیز ہے جس میں ردوبدل کرنا موجب کفر ہو جاتا ہے، دوسرا حلال و حرام وہ ہے جو نصوص

کی دلالتوں یا اشارات یا اقتضاآت سے استنباط کیا جائے۔ یہ فروعی چیز ہے اور اس میں ہمیشہ سے علماء و فقہائے امت حتیٰ کہ صحابہ اور تابعین کے درمیان بھی اختلافات رہے ہیں۔ ایک ہی چیز کو کسی نے حلال قرار دیا ہے اور کسی نے حرام، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس نوع کی استنباطی تحلیل و تحریم پر مباحثہ و محاجہ سے آگے بڑھ کر کسی نے دوسرے کو یہ الزام دیا ہو کہ تمھارا دین بدل گیا ہے یا تم خدا کے حرام کیے ہوئے کو حلال کر رہے ہو۔ افسوس یہ ہے کہ ہندوستان میں بلکہ عام مسلمانوں میں ایک مدت سے شرعی مسائل کی آزادانہ تحقیق کا سلسلہ بند ہے اور ہر گروہ کسی ایک مذہب فقہی کی پابندی میں اس قدر جامد ہو گیا ہے کہ اپنے ہی مذہب خاص کو اصل شریعت سمجھنے لگا ہے، اس لیے جب لوگوں کے سامنے ان کے مانوس مسلک سے ہٹ کر کوئی تحقیق آتی ہے تو وہ اس پر اس طرح ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ گویا دین میں کوئی تحریف کی گئی ہے، حالانکہ سلف میں جبکہ آزادانہ تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا تھا علماء کے درمیان حلال و حرام اور فرض و غیر فرض تک کے اختلافات ہو جاتے تھے اور ان کو نہ صرف برداشت کیا جاتا تھا بلکہ ہر گروہ اپنے نزدیک جو حکم شرعی سمجھتا تھا اس کی خود پابندی کرنے کے ساتھ دوسروں کو بھی یہ حق دیتا تھا کہ ان کے نزدیک جو حکم شرعی ہو اس کی وہ پابندی کریں۔

اسی کھانے پینے کے مسئلہ میں علماء سلف کے درمیان جو اختلافات ہوئے ہیں اُن کی چند مثالیں میں یہاں نقل کرتا ہوں اور آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ ان حضرات میں سے کس کو آپ حرام کے حلال یا حلال کے حرام کر دینے کا الزام دے سکتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ درندوں کے گوشت اور اس خون کے استعمال میں جو رگوں کے اوپر کے حصہ میں رہ جاتا ہے، مضائقہ نہیں سمجھتی تھیں اور ان کا استدلال اس آیت سے تھا کہ قُل لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ الآیہ" اور اسی آیت کی بنا پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بھی اُن چار چیزوں کے سوا جن کو قرآن مجید میں حرام کیا گیا ہے (یعنی سوٴر، مردار، بہتا ہوا خون اور مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ) اور کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ (ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص جلد سوم صفحہ ۲)

پالتو گدھے کے گوشت کے متعلق ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر بعض خاص وجوہ سے اس کے کھانے سے منع کیا تھا اور یہ ممانعت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ گدھے کا

گوشت مطلقاً حرام ہے۔ (ایضاً صہ۲۱)

درندوں اور شکاری پرندوں کے معاملہ میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب مطلق حرمت کے قائل ہیں۔ امام مالک درندوں کو حرام سمجھتے ہیں مگر شکاری پرندوں مثلاً کرگس، عقاب، گدھ وغیرہ کو حلال قرار دیتے ہیں، خواہ وہ مردار کھانے والے ہوں یا نہیں۔ امام اوزاعی صرف گدھ کو مکروہ سمجھتے ہیں، باقی ہر قسم کے پرندے ان کے ہاں حلال ہیں۔ لیث بلّی کو حلال سمجھتے ہیں اور بجّو کو مکروہ۔ امام شافعی کے نزدیک صرف وہ درندے جو انسان پر حملہ کرتے ہیں، یا وہ شکاری پرندے جو انسان کے پالتو جانوروں پر حملہ کرتے ہیں حرام ہیں، بجّو اور لومڑی اس تعریف میں نہیں آتے۔ عکرمہ سے کوّے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ "موٹی مرغی ہے" اور بجّو کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ "موٹی دنبی ہے"۔ (ایضاً صہ۲۲)

اسی طرح حشرات الارض کے بارے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ حنفیہ تمام حشرات الارض کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ سانپ کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر وہ اس کے ساتھ ذکات (یعنی ذبح) کی شرط لگاتے ہیں۔ یہی رائے امام مالک کی بھی ہے، اور امام اوزاعی ذکات کی شرط کو بھی اڑا دیتے ہیں۔ لیث کے نزدیک خارپشت جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک مینڈک جائز ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جن چیزوں سے اہل عرب گھن کھاتے تھے بس وہی خبائث ہیں چنانچہ اہل عرب بجو اور لومڑی کھاتے تھے اس لیے یہ دونوں حلال ہیں۔ (ایضاً صہ۲۴)

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں نص صریح موجود نہ ہو وہاں استنباط کی بنا پر حلال و حرام کے اختلافات سب فروعی اختلافات ہیں، کسی مسلک فقہی میں بر بنائے اجتہاد کسی چیز کا حرام ہونا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ اصل شریعت الٰہی میں حرام ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی کسی چیز کو اپنے استنباط کی بنا پر حلال قرار دے تو اس پر بحث تو ضرور کی جا سکتی ہے لیکن یہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ اس پر رونگٹے کھڑے ہونے لگیں اور تحریف دین یا تحلیل ما حرّم اللہ کے الزامات عائد کیے جانے لگیں۔

اب میں اس اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس پر آپ نے یہ سوالات کیے ہیں۔

مجھے حیرت ہے کہ یہ بات آپ نے کہاں سے معلوم کر کے لکھی کہ بندوق سے مرے ہوئے شکار کے

حرام ہونے پر چاروں امام متفق ہیں۔ کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے زمانہ میں بندوق ایجاد ہوگئی تھی؟ ائمہ اربعہ کے منقول مسائل میں سے کسی گروہ کا یا سب کا؟ ان کے استنباطی مسائل میں سے کسی مسئلہ سے تخریج کرتے ہوئے کوئی حکم نکالنا اور چیز ہے اور خود ائمہ کا کوئی حکم بیان کرنا اور چیز۔ بندوق بہرحال فقہائے متاخرین کے زمانہ میں ایجاد ہوئی تھی اور اس کی ساخت میں تازہ ترین اصولی تغیر تو انیسویں صدی میں ہوا ہے۔ اس کے متعلق اگر کوئی حکم فقہا نے بیان کیا بھی ہے تو وہ ائمہ سلف کے اجتہادی احکام سے تفریع در تفریع کرتے ہوئے ہی بیان کیا ہوگا۔ اس پر آخر خواہ مخواہ یہ دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے کہ اس چیز کی حرمت پر ائمہ اربعہ متفق ہیں۔

میں نے بندوق کے شکار کے حلال ہونے کا مسئلہ جو بیان کیا ہے وہ قاضی شوکانی سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ براہ راست کتاب و سنت سے اخذ کیا ہوا ہے۔ شریعت میں جانوروں کی ذکات (یعنی شرعی طریقہ سے ان کے ذبح) کے جو احکام ہیں ان کو اصولاً دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک قسم کے جانور وہ جو ہمارے قابو میں ہوں اور جن کو ہم مقرر طریقہ کے مطابق ذبح کر سکتے ہوں۔ ان کی شرط ذکات اور ہے اور اسے اصطلاحاً ذکات اختیاری کہا جا سکتا ہے۔ دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جو ہمارے قابو میں نہ ہوں، مثلاً جنگلی جانور، یا وہ اہلی جانور جو بھاگ نکلا ہو اور وحشی کے حکم میں آگیا ہو، یا وہ جانور کہیں گر پڑا ہو اور جس کی شرط ذکات مقرر طریقہ پر ادا نہ کی جا سکتی ہو، یا وہ جانور جو کسی زخم سے مرنے کے قریب ہو اور ذبح کے لیے چھری تلاش کرتے کرتے اس کے مر جانے کا امکان ہو۔ ایسے تمام جانوروں کی شرط ذکات دوسری ہے اور اسے اصطلاحاً ہم ذکات اضطراری کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پہلی قسم کے جانوروں کا مقام ذبح حلق ہے اور ان کو ذبح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی تیز دھار والے آلے سے ان کے حلقوم کو اس حد تک کاٹا جائے کہ نرخرہ اور رگِ گلو کھل جائے۔ رہے دوسری قسم کے جانور تو ان کا سارا جسم مقام ذبح ہے۔ اور کسی چیز سے، خواہ وہ کوئی ہو، ان کے جسم میں اتنا خرق (Puncture) کر دینا کافی ہے کہ خون بہ جائے۔ اس سلسلہ میں جو نصوص کتاب و سنت سے ہمیں ملتی ہیں وہ ترتیب وار درج ذیل ہیں:

(۱) اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ حلال کر دی گئیں تمھارے لیے ساری پاک چیزیں اور جن

مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ ۴)

شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو، جن کو تم خدا کے دیے ہوئے علم کی بنا پر شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو، وہ جس جانور کو تمھارے لیے پکڑ رکھیں اس کو تم کھالو اور اس پر اللہ

اس سے معلوم ہوا کہ سدھائے ہوئے شکاری جانور کو اگر خدا کا نام لے کر چھوڑا گیا ہو تو اس کے پنجوں اور کچلیوں سے جو زخم وحشی جانور کو لگ جاتا ہے اور جو خون اس طرح نکل جاتا ہے اس سے "اضطراری ذکات" کی شرط پوری ہو جاتی ہے اور اگر ایسا جانور زندہ نہ ملے اور اسے باقاعدہ ذبح نہ کیا جاسکا ہو تب بھی وہ حلال ہے

(۲) حضرت عدی ابن حاتم نے نبی صلعم سے پوچھا کہ ہم معراض پھینک کر شکار کرتے ہیں، حضور نے جواب دیا "کل ما خزق وما اصاب بعرضہ فقتل فانہ وقیذ فلا تاکلہ" (متفق علیہ) یعنی اگر وہ چھید دے تو کھالو لیکن اگر معراض اپنے عرض کی طرف سے جانور کو لگی ہو اور اس سے وہ مر گیا ہو تو وہ چوٹ کھایا ہوا جانور (موقوذہ) ہے، اسے نہ کھاؤ۔

معراض ایک بھاری لکڑی یا عصا کو کہتے ہیں جس کے سرے پر یا تو لوہے کی انی لگی ہوئی ہو یا ویسے ہی لکڑی کو نوکدار بنا دیا گیا ہو۔ اس کی چوٹ سے جسم کے کسی حصہ کا اس حد تک پھٹ جانا یا چھد جانا کہ اس سے خون بہ جائے، شرط ذکات پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۳) رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کل دشمن سے ہمارا مقابلہ ہے اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں ہیں کہ ہم جانوروں کو ذبح کر سکیں، تو کیا ہم پھٹے ہوئے بانس کی کھپچی سے ذبح کر سکتے ہیں؟ حضور نے فرمایا "ما انہر الدم وذکر اسم اللہ فکل، لیست السن والظفر" (متفق علیہ) یعنی خدا کا نام لے کر جس چیز سے بھی خون بہا دیا جائے، ایسے جانور کو کھالو، البتہ دانتوں اور ناخنوں سے یہ کام نہ لیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز وہ آلہ نہیں ہے جس سے کام لیا جا رہا ہو، بلکہ شرط ذکات پوری کرنے میں صرف یہ بات معتبر ہے کہ خون بہا دیا جائے۔ اسی کی تائید یہ حدیث کرتی ہے کہ حضرت عدی ابن حاتم نے پوچھا "یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی شخص کو شکار مل جائے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا وہ پتھر کی

دھار یا پھٹی ہوئی لکڑی سے ذبح کر سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "امرر الدم بما شئت واذکر اسم اللہ" یعنی خون بہاؤ جس چیز سے چاہو اور اللہ کا نام لو!

(۴) ابو العُشراء، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا ذبح کا مقام صرف حلق اور لبلبہ ہی نہیں ہے؟" آپ نے فرمایا "لو طعنت فی فخذھا لاجزأ عنک" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) یعنی اگر تو اس کی ران میں بھی چبھو دے تو کافی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ ایسے جانور کی ذکات ہے جو کسی گڑھے وغیرہ میں گر گیا ہو، ترمذی کہتے ہیں تمام ضروریات کے موقعوں کے لیے یہی ذکات ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو جانور ہمارے قابو میں نہیں ہے اس کے جسم کا ہر حصہ مقام ذبح ہے۔ نیز یہ کہ اصل شے وہ آلہ نہیں ہے جس سے کام لیا جائے، بلکہ صرف جسم کو چھید دینا ہے تاکہ خون بہ جائے۔

(۵) کعب بن مالک کہتے ہیں کہ ہماری بکریاں مقام سلع میں چر رہی تھیں۔ یکایک ہماری لونڈی نے دیکھا کہ ایک بکری مرنے کے قریب ہے۔ اس نے فوراً ایک پتھر توڑا اور اس سے ذبح کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کی اجازت دی (بخاری) عطا ابن یسار کہتے ہیں کہ بنی حارثہ میں سے ایک شخص احد کے قریب گھاٹی میں ایک اونٹنی چرا رہا تھا۔ یکایک اس نے دیکھا کہ اونٹنی مر رہی ہے۔ مگر اسے کوئی چیز ایسی نہیں ملی جس سے وہ ذبح کر سکتا۔ آخر اس نے خیمہ گاڑنے کی ایک میخ لی اور اسے اونٹنی کے لبلبہ میں چبھو دیا، یہاں تک کہ اس کا خون بہہ گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور آپ نے اسے کھا لینے کی اجازت دے دی۔ (ابوداؤد، موطا)

ٹوٹے ہوئے پتھر کی دھار تو پھر بھی دھار کی تعریف میں آتی ہے لیکن لکڑی کی نوکدار میخ کو دھار دار آلے کی تعریف میں جس حد تک لایا جا سکتا ہے، ظاہر ہے۔

مذکورہ بالا نصوص کو سامنے رکھنے کے بعد بندوق کے مسئلہ پر غور کیجیے۔ بندوق کی گولی کو غلیل کے ٹھنڈے غُلّے پر قیاس کرنا اور اس کی بنا پر یہ سمجھنا کہ اس سے جو جانور مرتا ہے وہ در اصل اُس طرح کی چوٹ کھا کر مرتا ہے جیسی پتھر یا لکڑی کے عرض سے لگتی ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر گولی جس قوت سے بندوق سے نکلتی